اقبال بطور معلّمِ اخلاق

ڈاکٹر اصغر علی بلوچ

Dr. Asghar Ali Bloch

Professor, Department of Urdu,
Govt. College University, Faisalabad

Abstract:

Iqbal is a moral philosopher. In his poetry he emphasis moral values of contemporary philosophy. He narrates dignity of human being as well as the other moral and spiritual aspects of life. He explores the values of modern era and points out the need of eqaulity, justice, action and self esteem as ethical values of human kind. In this article an effort is made to discuss moral aspects of Iqbal's poetry. We can find comparative study of Islamic and western philosophy in Iqbal's poetry.

اقبال کی شاعری اظہار و تصورات کی نوعیت کے اعتبار سے مختلف اور منفرد اہمیت کی حامل ہے۔ انہوں نے نہ صرف اپنے عہد کو بلکہ مستقبل کو بھی اپنے افکار سے متاثر کیا ہے۔ اُن کی شاعری میں فلسفیانہ عناصر نے اُنہیں ایک فلسفی شاعر کی حیثیت سے ایسا بلند مقام دیا ہے جو شاید ہی کسی اور کو نصیب ہوا ہو۔ اقبال کی اخلاقی اور فلسفیانہ شاعری کے بارے میں سعید احمد رفیق لکھتے ہیں:

> ''اقبال ایک مفکر ہیں اُن کے نظامِ فکر میں اخلاق کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اخلاقی طور پر وہ قانونی نہیں بلکہ غایتی ہیں۔ انہوں نے اخلاقی معیار کو ایک اُم الفضائل کی شکل میں پیش کیا ہے۔''(۱)

اقبال کی شاعرانہ اور فلسفیانہ حیثیت اپنی جگہ مسلّم ہے اور اِن دونوں حیثیات میں وہ اپنی معاصر اور مابعد شاعری میں اپنے نظریات و تصورات کی وجہ سے ممتاز ہیں، اس کے باوجود انہی تصورات کی بنا پر ان پر کچھ اعتراضات بھی کیے گئے۔ بقول عقیل احمد صدیقی:

> ''اقبال کی مقبولیت میں اُن کے فلسفیانہ تصورات کو زیادہ دخل رہا ہے اور اپنے تصورات کی بنیاد پر وہ رد بھی کیے گئے ہیں۔ ۳۶ء کے بعد ترقی پسند ادیبوں نے مذہبی افکار، طاقت پرستی اور احیا پسندی کی وجہ سے اقبال کو رد کیا اور ان کے بعض

تصورات کو عہد کے قومی مزاج کے لیے مہلک گردانا کہ وہ تصورات ان کے نزدیک رجعت پرستانہ اور فاشیت پسندانہ تھے۔''(۲)

اس ضمن میں اختر حسین رائے پوری، علی سردار جعفری اور مجنوں گورکھپوری نے اقبال کو جدید سائنسی اور صنعتی نظام کی مخالفت اور طاقت پرستی جیسے افکار کی بنا پر موردِ الزام ٹھہرایا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اقبال کے ہاں فکری ارتقا پایا جاتا ہے۔ وہ دُنیا کے تمام فلسفوں سے اثر قبول کرتے رہے لیکن اُن کا منبعِ فکر قرآن مجید ہے جس کی شعری تعبیریں مولانا رومی کے ہاں بھی ملتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال کا فلسفہ اور نظامِ اخلاق اسلامی ہے اور اس میں وہ کسی دوسرے ازم کو زیادہ قابلِ اعتبار نہیں ٹھہراتے ہیں۔

اقبال کے اس پہلو کے بارے میں سید احتشام حسین کا خیال ہے کہ اُن کی فکری تربیت میں برگساں، ہیگل، گوئٹے اور بھرتری ہری کے بہت سے خیالات کا حصہ ہے مگر:

''جزوی حیثیت سے وہ سبھوں کے ساتھ ہیں، مکمل طور پر کسی کے ساتھ نہیں۔ اُنہیں کامل اتفاق صرف قرآن سے ہے یا پھر مولانا روم سے۔''(۳)

اقبال کے افکار میں دیگر فلاسفہ سے جو اختلاف پایا جاتا ہے اس کی بنیادی وجہ بھی یہی ہے کہ انہوں نے ان سے فکری مماثلت کے باوجود کامل راہنمائی قرآن سے حاصل کی ہے جیسا کہ احتشام حسین کہتے ہیں:

''یہ دوسرے مکاتب فلسفہ صرف اس حد تک صحیح اور درست تھے جس حد تک وہ خیال اور عمل میں اسلام سے متفق اور متحد تھے، فلسفہ کا جو حصہ اس کے علاوہ بچ رہتا تھا اقبال اِسے قبول نہیں کرتے تھے۔''(۴)

اس امر کی توثیق کرتے ہوئے مولانا عبدالسلام ندوی کہتے ہیں:

''اس بنا پر وہ اخلاقی حیثیت سے نہ نٹشے کے مقلد ہیں نہ صوفیوں کا اتباع کرتے ہیں۔ وہ خالص اسلامی اور قرآنی اخلاق کی تعلیم اور دعوت دیتے ہیں جو صلح و جنگ، رزم و بزم سب پر حاوی ہے۔''(۵)

اقبال کے افکار میں جو تنوع پایا جاتا ہے وہ اُن کے وسیع المطالعہ ہونے کے ساتھ ساتھ گہرے تفکر اور مشرقی و مغربی فلاسفہ کی خوش چینی کا سبب بھی ہے، لیکن یہ امر اپنی جگہ اہمیت کا حامل ہے کہ وہ اپنا قبلہ درست رکھتے ہیں اور اسلامی نظریات و اخلاقیات کو اپنی فکری اساس بناتے ہیں۔ ان کے فکری و اخلاقی نظریات میں عالمگیریت کا پہلو نمایاں ہے جیسا کہ عزیز احمد لکھتے ہیں:

''اقبال نے اسلامی اخلاقیات سے زیادہ تو انہیں (اسلامی) اقدار کو چننے کی کوشش کی ہے، اگرچہ وہ اسلام کا نام بار بار لیتے ہیں لیکن دراصل یہ اخلاقی اقدار تمام بڑے مذہبوں اور ہر اخلاقی فلسفے میں مشترک ہیں۔''(۶)

فلسفی شاعر یا مفکر کے ہاں حقیقت کی خشک تعبیر پائے جانے کا زیادہ احتمال ہوتا ہے۔ اقبال کو بھی اس کا پورا پورا احساس ہے اور اکثر جگہوں پر اس کا اظہار کرتے ہوئے شعر اور حکمت کو دو الگ خانوں میں شمار کرتے ہیں اور دونوں کی جمالیاتی ہم آہنگی پر زور دیتے ہیں۔ اقبال کہتے ہیں:

حق اگر سوزے نہ دارد حکمت است
شعر می گردد چوں سوز از دل گرفت(۷)

اقبال کے ہاں شعر و فلسفہ کی ہم آہنگی کے بارے میں سید وقار عظیم کا کہنا ہے:

''مفکر اور حکیم اقبال کو اس بات کا شدید احساس اور پورا اندازہ ہے کہ جب تک ان کی شاعرانہ شخصیت ان کے حکیمانہ پیغام کو جمالیاتی حیثیت سے بھی خوش آئند اور دل پذیر نہ بنائے اس پیغام کا اثر مستحکم اور مضبوط ہوگا نہ دائم و قائم۔''(۸)

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے کہ اقبال کے ہاں اخلاقی اور جمالیاتی اقدار کے مابین کوئی بعُد نہیں پایا جاتا ہے بلکہ ان کی شاعرانہ حیثیت ان کی فلسفیانہ حیثیت پر غالب آ کر ان کے کلام میں خوبصورتی، اثر آفرینی اور جذباتی وارفتگی پیدا کر دیتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اقبال کو اپنی شاعرانہ حیثیت سے زیادہ اپنی فلسفیانہ حیثیت ہی عزیز تھی جیسا کہ وہ خود ایک خط میں تحریر کرتے ہیں:

''فن شاعری سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں، ہاں بعض مقاصد خاص عزیز رکھتا ہوں جن کے بیان کے لیے اس ملک کے حالات و روایات کی رو سے میں نے نظم کا طریقہ اختیار کر لیا ہے ورنہ

نہ بینی خیر ازاں مرد فرو دست
کہ بر من تہمت شعر و سخن بست(۹)

اقبال نے اپنے خطوط اور اشعار میں بار بار اس امر کا اظہار کیا ہے کہ وہ ایک شاعر سے زیادہ ایک پیغامبر ہیں اور شاعری سے اُن کا مدعا صرف یہ ہے کہ خیالات میں انقلاب پیدا ہو اور بس۔(۱۰) یہ اور بات ہے کہ اقبال کے ہاں فکر و فن کا جو توازن پایا جاتا ہے وہ ان کی شاعرانہ اور فلسفیانہ دونوں حیثیتوں کو برقرار رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سعید احمد رفیق کو اقبال کی ان دونوں حیثیات کو مانتے ہوئے یہ اقرار کرنا پڑا:

''حقیقت یہ ہے کہ اقبال ایک زبردست شاعر ہونے کے باوجود صرف شاعر نہ تھے، بلکہ برنگ اعجاز شاعرانہ ایک پیغامبر، ایک مفکر اور ایک کلیم تھے۔ ان کی شاعرانہ عظمت سے انکار ممکن نہیں لیکن شاعری اُن کا اصل مقصد نہ تھا بلکہ کسی اعلیٰ تر مقصد کو حاصل کرنے کا صرف ایک ذریعہ۔''(۱۱)

ویسے بھی ایک فلسفی اور شاعر کا کام معلّمی کے شعبے سے قریب تر ہے اور دونوں صورتوں میں

اقبال کا عالم گیر پیغام سبق آموز ہے جس سے قوموں کی زندگی میں انقلاب آتا ہے۔ بقول اسلم انصاری:

''اکثر فلسفیوں کو معلّمین بھی کہہ دیا جاتا ہے، اقبال کو بھی اگر معلم کہا جائے تو غلط نہ ہوگا، بلکہ لفظ کا صحیح ترین اطلاق ہوگا۔ اگر برصغیر کے مسلمانوں کی سیاسی اور اجتماعی زندگی کی تشکیل نو کے طویل عمل میں اقبال کے کردار کا تجزیہ کریں تو وہ صحیح معنوں میں ایک معلم کی حیثیت میں اپنا تاریخی کردار ادا کرتے دکھائی دیتے ہیں، بلکہ اگر انہیں عصر حاضر کا ایک عظیم معلم قوم کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔''(۱۲)

اقبال کے ان مقاصد خاص اور افکار عالیہ میں ان کے فلسفۂ اخلاق کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اقبال ایک اخلاقی فلسفی کے طور پر سامنے آتے ہیں اور بجا طور پر ایک معلم اخلاق کے اعلیٰ مقام پر فائز نظر آتے ہیں۔ اس معلم قوم نے خاص طور پر اخلاقی بنیادوں پر قوم کی رہنمائی کا جو فریضہ ادا کیا ہے وہ ایک طرف سیاسی، سماجی، معاشی اور معاشرتی انقلاب کا پیش خیمہ بنا تو دوسری طرف اُس کے ذریعے ایک منتشر قوم کو ایک واضح سمت نصیب ہوئی جس پر گامزن ہو کر اس قوم نے اپنی منزل حاصل کی۔ اقبال کی اس اخلاقی حیثیت کا تذکرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر مظفر حسن ملک کہتے ہیں:

''اقبال کا فلسفۂ اخلاق، فلسفۂ تمدن اور فلسفۂ خودی سے مختلف نہیں ہے، وہ فرد اور معاشرے کے تعلقات، افراد کی ذمہ داریاں اور حقوق، اور معاشرتی تحفظ و اتحاد سب کو ایک ساتھ لے کر چلتے ہیں۔ انفرادی زندگی اور اجتماعی حیات کے اسرار و رموز کو ایک دوسرے کے ساتھ منضبط رکھتے ہیں تاکہ اُن کے فلسفہ حیات میں توازن برقرار رہے۔''(۱۳)

اقبال کی شعری و فلسفیانہ حیثیت پر معروف ترقی پسند نقاد آل احمد سرور نے بھی متوازن رائے دی ہے۔ وہ فلسفی اور شاعر کے درمیان پائے جانے والے اختلاف و توافق کی بنیاد پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''یہ کہنا کہ اقبال محض ایک فلسفی ہے، اقبال کی بہت بڑی توہین ہے۔ فلسفی حقیقت کی خشک اور بے جان تفسیریں کرتا ہے وہ کائنات کا ادراک صرف اپنے ذہن سے کرنا چاہتا ہے۔ وہ مادہ اور روح کی بحث میں اُلجھا رہتا ہے۔۔۔ اس لیے اقبال کو ہم اس معنی میں فلسفی نہیں کہہ سکتے۔ ان کا فلسفہ وہ ہے جو خون جگر سے لکھا جائے وہ 'مستیٔ احوال' یا مستی گفتار کے قائل نہیں۔ مستیٔ کردار' پر جان دیتے ہیں۔''(۱۴)

اقبال نے ایک خاص طرزِ زندگی کا پیغام دیا ہے اور انفرادی و اجتماعی طور پر اعلیٰ اخلاقی اقدار کو اِس طرح پیش کیا ہے کہ وہ زندگی کی دیگر اقدار اور روایات سے باہم پیوستہ رہتی ہیں۔ اقبال زندگی کو

ایک وحدت مانتے ہوئے اُسے دین و دنیا کے مختلف خانوں میں تقسیم نہیں کرتے بلکہ اُن کے نزدیک دین و دُنیا میں دوئی کسی صورت بھی قابلِ تحسین نہیں ہے:

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی(۱۵)

وہ اپنی ایک اور نظم ''دین و سیاست'' میں اسی خیال کو یوں پیش کرتے ہیں:

ہوئی دین و دولت میں جس دم جدائی
ہوس کی امیری، ہوس کی وزیری
دوئی ملک و دیں کے لیے نا مرادی
دوئی چشم تہذیب کی نا بصیری(۱۶)

اقبالؔ کے اس پہلو کو اخلاقی نقطۂ نظر سے پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم کہتے ہیں:

''اسلام کی نسبت علامہ اقبال کے افکار حکیمانہ ہیں۔ انگریزی خطبات میں بھی اور اشعار میں بھی جا بجا یہ زاویہ نگاہ ملتا ہے کہ اسلام ماہیت حیات و کائنات کے عرفان اور اس کے مطابق زندگی کے رجحان اور میلان کا نام ہے۔ جس طرح طبیعات کے قوانین بلا امتیاز مذہب و ملت سب پر مساوی عمل کرتے ہیں، اسی طرح اخلاقیات اور روحانیت کے آئین بھی عالم گیر ہیں۔ اسلام کسی ایک قبیلے، کسی ایک قوم یا کسی ایک ملک کا مذہب نہیں، ریاضیات کی طرح اس کی صداقتیں بھی کائنات کے ہر شعبے پر حاوی ہیں۔''(۱۷)

اقبال کا نظام اخلاق اسلامی ہونے کے ساتھ ساتھ عالم گیر بھی ہے، کیونکہ اُن کے نزدیک وہی اقدار و روایات اعلیٰ اخلاقی زندگی کی نمائندہ ہیں جو دُنیا کے دیگر بڑے مذاہب میں بھی عزت و آبرو کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں۔ وظیفۂ فن کا بھی یہی تقاضا ہے کہ نظریات کا جمالیاتی حسن اور عالمگیریت برقرار رکھی جائے کیونکہ تجربے کو احساس، فکر کو جذبہ اور شعور کو اُسلوب بنا دینے کا نام ہی شاعری ہے جیسا کہ عمیق حنفی نے کہا ہے:

''عصری آگہی، انسان کے مادی، سماجی، اخلاقی، سیاسی مسائل کو شاعری کا موضوع اور مواد بنانا حرام نہیں بلکہ مکروہ بھی نہیں ہے۔ شرط صرف تجربے کو احساس بنانے اور ایسا کر دینے کی ہے کہ شاعری ہضم کر سکے، پچا سکے اور اپنا حصہ بنا سکے۔ شعر میں شعور کا رنگ الفاظ پر اور اسلوب پر حاوی رہے تبھی وہ شعر کہلانے کا مستحق ہے۔''(۱۸)

اقبال کے ہاں مذکورہ بالا تمام موضوعات کی رنگا رنگی پائی جاتی ہے لیکن ان کا اخلاقی پہلو اتنا

نمایاں ہے کہ اُس کو تمام فکری مواد کا مرکز ماننا پڑتا ہے۔ اخلاقی فضائل کی متعدد اقسام ہیں، جن میں ایجابی اور سلبی اقدار شامل ہیں۔ ایجابی اقدار میں عزتِ نفس، خودداری، آزادی، حق گوئی، عزم و استقلال، جدوجہد، بہادری، غیرت وحمیت وغیرہ اور سلبی اقدار میں زہد، توکل، قناعت، تواضع، عاجزی، خاکساری، عفو، درگذر، حلم اور بردباری وغیرہ شامل ہیں۔ اسی طرح ایجابی انفرادی اقدار اور ایجابی اجتماعی، سلبی انفرادی اور سلبی اجتماعی اقدار کی تقسیم بھی کی جاسکتی ہے۔ اقبال کے ہاں ایجابی و سلبی دونوں قسم کی اخلاقی اقدار پائی جاتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی افکار میں بطور معلّمِ اخلاق نمایاں نظر آتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ سعید احمد رفیق، اقبال کا نظریۂ اخلاق، لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، س۔ن، ص: د

۲۔ عقیل احمد صدیقی، جدید اُردو نظم نظریہ و عمل، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۹۰ء، ص:۳۱

۳۔ احتشام حسین، روایت اور بغاوت، لکھنؤ: ادارۂ فروغِ اُردو، اشاعت دوم، ۱۹۵۶ء، ص:۱۰۹

۴۔ ایضاً، ص:۱۱۰۔۱۰۹

۵۔ مولانا عبدالسلام ندوی، اقبال کامل، لاہور: الفیصل ناشران وتاجران کتب، ۲۰۰۳ء، ص:۳۵۵

۶۔ عزیز احمد، اقبال ___ نئی تشکیل، لاہور: گلوب پبلشرز، ۱۹۶۸ء، ص:۱۲۴

۷۔ محمد اقبال، کلیاتِ فارسی، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، ۱۹۷۳ء، ص:۲۷۶

۸۔ وقار عظیم، سید، اقبال شاعر یا فلسفی، مشمولہ: علامہ اقبال، حیات، فکر وفن، مرتبہ: ڈاکٹر سلیم اختر، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، ص:۳۰۸

۹۔ عطا محمد، شیخ، اقبال نامہ، جلد اوّل، لاہور: شیخ اشرف، ۱۹۵۱ء، ص:۱۹۵

۱۰۔ ایضاً، ص:۱۰۸

۱۱۔ سعید احمد رفیق، اقبال کا نظریۂ اخلاق، ص:۱۶

۱۲۔ اسلم انصاری، اقبال عہد آفریں، ملتان: کاروانِ ادب، ۱۹۸۷ء، ص:۶۶

۱۳۔ مظفر حسن ملک، ڈاکٹر، مکارمِ اخلاق اور اقبال، مشمولہ: اقبال ۸۴ء، مرتبہ: ڈاکٹر وحید عشرت، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۸۶ء، ص:۵۳۔۳۵۲

۱۴۔ آل احمد سرور، اقبال اور اُن کا فلسفہ، مشمولہ: انتخاب سرور، مرتبہ: فقیر احمد فیصل، لاہور: لاہور اکیڈمی، س ن، ص:۱۶۲

۱۵۔ محمد اقبال، کلید کلیاتِ اقبال، مرتبہ: احمد رضا، لاہور: ادارۂ اہلِ قلم، ۲۰۰۵ء، ص:۳۷۷

۱۶۔ ایضاً، ص:۴۴۶

۱۷۔ عبدالحکیم، خلیفہ، ڈاکٹر، فکرِ اقبال، لاہور: بزمِ اقبال، اشاعتِ ششم، ۱۹۸۸ء، ص:۱۴۲

۱۸۔ عمیق حنفی، شعر چیزے دیگر است، نئی دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۸۳ء، ص:۴۳